بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ربیع الاول بڑی سعادتوں اور برکتوں کا مہینہ نگاہوں کے سامنے جلوہ فگن ہے۔ ہمارے سامنے ہر لمحہ نورِ ہدایت کا بہتا ہوا دریا قانونِ قرآن اور اسوۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں موجود ہے۔ میلادِ حضورؐ اور اس کے ساتھ دعوتِ حضورؐ، سیرتِ حضورؐ، نقشۂ تنظیم و تزکیۂ حضورؐ، ہجرتِ حضورؐ، جہادِ حضورؐ، سیاسی و معاشی لحاظ سے نظامِ حضورؐ، مشاورتِ حضورؐ، عدالتِ حضورؐ اور عبادت و خلقِ حضورؐ کی ساری تجلیات سامنے آتی ہیں، تو نورِ ہدایت کا دریا ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔

اگر یادِ حضورؐ اور ذکر و بیانِ حضورؐ کے نتیجے میں دلوں کو کچھ بھی روحانی قرب، اللہ تعالیٰ سے محبت و طاعت کا والہانہ تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اخلاقی معیارات اور معاشرے کی تھوڑی بہت بلندی حاصل ہو جائے تو گویا مراد مل گئی، ورنہ ؎

خرِ عیسیٰؑ اگر بہ مکہ رَوَد   باز آید، ہنوز خر باشد

ایمان و عمل اور فلاح و سعادت میں رتی بھر بھی اضافہ نہ ہو تو پھر وہی مثال ہونی چاہیے، گدھا حضرت عیسیٰؑ جیسی مقدس ہستی کا ہو اور جائے بھی مکہ شریف جیسے مقدس مقام تک، لیکن واپس لوٹے گا تو گدھے کا گدھا ہی ہوگا۔ وہ گدھے کے بجائے انسان تو کجا، گھوڑا بھی نہیں بن سکتا۔

ہر سال ربیع الاول آتا ہے اور ذکرِ حضورؐ سے فضائیں بھر جاتی ہیں، مگر دوسری طرف ہمارے ایمان پہلے سے کمزور ہو جاتے ہیں، دولت ہمارے اوپر سواری کرتی ہے۔ مفاد کے بتوں اور عہدوں کے دیوتاؤں کے صنم خانے اور زیادہ آباد ہو جاتے ہیں، اخلاقی

پستی کے نتیجے میں جرائم اور بڑھ جاتے ہیں، تشدد کا زور ہے، انتقام کے چکر چل رہے ہیں، اُمتِ محمدیہؐ کی خواتین کی عصمتیں دن دیہاڑے خود قومی رکھوالوں کے ہاتھوں لُٹ رہی ہیں۔ تخریب کا دور دورہ ہے، انسان ہر جگہ روندا کچلا ہوا اور کراہتا ہوا ملتا ہے جس کو مشینیں اور کمپیوٹر اور خلائی جہاز اور ایٹم بم، کمپیوٹر اور روبوٹ سب تحقیر آمیز خندہ زنی کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔

اُمتِ محمدیہ اِن سارے معاملوں میں کسی کافر قوم سے پیچھے نہیں، دعویٰ عقیدۂ توحید کا اور عمل علاقہ پرستی، نسل پرستی اور طبقہ پرستی پر، درس اتحاد کا، اور کیا سیاسی اسٹیج اور کیا صحافتی ناقوس اور کیا واعظوں کے منبر سب کے ذریعے افتراقات کا زہر چاروں طرف بکھیرا جا رہا ہے ___ اپنا نام مسلمان قوم یا اُمتِ محمدیہ اور ملّتِ اسلامیہ قرار دینا اور سروں پر ہر جگہ مسلط لادینیت اور طاغوتی نظام اور مادہ پرستانہ طرزِ فکر۔ منصب، دنیا کو تعلیم فلاح دینا، مگر اپنا جہانِ افکار سارے کا سارا باطل فلسفوں اور نظریوں سے تعمیر شدہ اور عملی خدمات نظامِ الحاد اور ادارہ ہائے فسق و فجور کی گاڑیوں کو کھینچنے کے لیے بے مزد قلیوں کی!

بہ حالِ زار ___ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت بنتے ہو اور ربیع الاول کے آنے پر محبتِ رسالتؐ کے جھنڈے اُٹھا کر نعرے لگاتے ہو۔ اِس پُر تضاد صورتِ حالات پر اقبالؒ نے (حضورؐ کی خدمت میں) عرض کیا تھا۔

ع کہ ما شایانِ شانِ تو نہ بودیم

یعنی ہم کج فکر، پست اخلاق اور مریضانِ تضاد و نفاق آپ کے شایانِ شان (پیروکار یا مردانِ جہاد، یا علمبردارانِ انقلاب) نہ تھے۔

مَیں اِس مبارک مہینے کی مقدس فضا میں اوّل تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حدیث پاک "خُبزا لفقر دنِ قس نی ..... الخ" کی سچائی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ انسانیت اپنی

ساری حکمت و دانش، ساری سائنسی ترقیات، ساری ٹیکنالوجی کی مہارتوں، ہوش رُبا ایجادوں، عیاشی کے گوناگوں اداروں اور تفریحات و جمالیات کے سامانوں اور شاندار جمہوری ایوانوں کے باوجود پستی میں گر رہی ہے۔ میری عمر جب حالتِ شعور کو پہنچی تو اس وقت سے لے کر اب تک (تقریباً ۶۰، ۶۲ سال) ہر پہلو سے زوال اور ذلت دیکھ رہا ہوں، اور پھر یہ دردناک حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں کہ گراوٹ کی اس گاڑی پر ہم مسلمان بھی سوار ہیں۔ بلکہ سوار کیا ہیں، بے اختیار ہیں۔ اور اس بے اختیاری کے باوجود اس گاڑی کے انجن میں فائرمین بھی بنے ہوتے ہیں۔

ہماری مظلوم مسلمانی کا حال یہ ہے کہ ہمارے گرد الحادی نظریات اور مادی تہذیب کے عالمگیر آسیب نے اس بُری طرح محاصرہ کر لیا ہے جیسے بردہ فروش کسی کو اغوا کر کے لے جائیں اور ذی شعور جانوروں کے ہاتھ بیچ دیں۔ بلکہ یہ تو قوم کی قوم کا اغوا ہے۔ اور خود قوم کو کسی نادان بچے کی طرح معلوم ہی نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

عالمی قوتوں کے ہاتھوں کی دولت مند اور تعلیم یافتہ کٹھ پتلیاں عوام کے گلّے کو ہانکے لئے جا رہی ہیں اور ان کے مال لوٹ کر ان پہ اختیار اور قانون اور سیاسی مکاری کے کوڑے برسا رہی ہیں ــــ اور پھر کہتے ہیں کہ اس کا نام جمہوریت ہے۔

حالانکہ جمہوریت اور سائنس اور علم و ترقی کے خداوندوں نے ہمارے گرد ایک ایسی دُنیا بنا کر اس میں ہمیں محبوس کر دیا ہے جس میں ایمانی و اخلاقی ہی نہیں، جانی و مالی تباہی کے جھکڑ اُٹھ رہے ہیں۔

انہی خداوندوں کے بنائے ہوئے معاشروں نے روزمرہ کے معمولی جرائم کو بڑھا کر ہائی جیکنگ اور تخریب کاری تک پہنچا دیا ہے۔ انہی کے افسوں سے ہیروئن خود ان کے معاشروں میں تباہی کا سامان بن گئی ہے۔ حالانکہ اور کتنے منشیات جن میں شراب شامل ہے خود نئی تہذیب کی بھٹیوں میں کشید ہوتی اور مغرب میں حلال قرار پا کر پھیلتی اور مشرق میں بھی نفوذ کرتی ہے۔ ہم لوگ اس گندی نشہ بازی سے بچنا چاہتے ہیں۔ مگر اس کو روکنا تو کجا اس کے خلاف آواز اُٹھانا بھی خلافِ تہذیب ہے۔ مگر خود ان کو اگر ہیروئن سے تکلیف

ہے تو اس کا سدِ باب کرنے کے لیے اپنے ملبے ہاتھوں سے ہمارے ہاں کے انسانوں کو سزائے موت تک دینا لازم سمجھتے ہیں، بلکہ ہیروئن کی لپیٹ میں سیاسی حریفوں کو بھی شکار کرتے ہیں۔

انہی خداوندانِ تہذیب نے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم جیسی بلائیں ہزار در ہزار انسانوں کی ہلاکت کے لیے ایجاد کی ہیں، اور آج کئی ملکوں میں انسانی ہلاکت کے لیے یہ دیو قطار در قطار کھڑے ہیں۔

اِن خداوندانِ تہذیب کے کارپردازوں اور غلاموں نے تخریبِ ماحولیات کے سلسلے میں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے جو خوفناک کارکردگی دکھائی ہے اُس کا ایک جامع تاثر مجھے کتابِ ہلاکت (DOOMSDY BOOK) کے مطالعہ سے ملا۔ اور دسیوں سائنسی وجوہ، حوالوں اور اعداد و شمار کے ساتھ ایسے بتائے گئے ہیں جن میں ہر ایک انسانی زندگی کی جڑ کاٹنے اور کرۂ ارضی کو زندگی کے لیے ناسازگار بناتے ہیں مؤثر عامل کا کام کر رہا ہے۔ خود ہی نئے دور نے آلودگی (POLLUTION) کے خطرناک سامان پیدا کیے اور پھر خود ہی اس صورتِ حال کا ماتم کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ۱۹۷۱ء میں یہ کتاب پڑھی اور اس کی دو پیش گوئیاں میرے سامنے تشکل پذیر ہیں۔ ایک یہ کہ کرۂ ارضی کی بہت بعید فضاؤں میں ''اوزون'' گیس کی جو تہ اہلِ زمین کی حفاظت کائناتی شعاعوں کے مضر اثرات سے کرتی ہے اُس کو ایٹمی قوت جدید مشینری اور نئی ایجادوں کے استعمال سے تباہی کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اخبارات میں یہ بات آچکی ہے کہ اوزون کو نقصان پہنچ چکا ہے اور کچھ کائناتی شعاعیں زمین پر آنے لگی ہیں۔ مزید اضافہ یقینی ہے۔ اس کتاب کی سائنسی پیش گوئی کے مطابق زمین کا درجۂ حرارت بڑھ چکا ہے۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا!

سائنس اور آسائش و عشرت میں مزے ہی مزے نہیں ہیں، دوسرا تاریک پہلو بھی ہے۔

انہی خداوندانِ تہذیب کے تباہ کاروں کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے کیمیاوی اسلحۂ ہلاکت کو ایجاد کر کے اس کے ذخیرے بنائے اور کارخانوں کی توسیع کے ساتھ ان

ہتھیاروں کی ہلاکت آفرینی میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔

اب جب یہ زہر مسلمان اور ایشیائی اور چھوٹی اقوام تک جا پہنچا ہے تو "صاحب بہادر" کبھی کندھے اچکاتے ہیں اور کبھی ناک سکیڑتے ہیں، کبھی ہاتھ ہوا میں لہراتے ہیں۔ مگر بے بس ہیں۔ جیسا کنواں دوسروں کے لیے خود کھودا تھا، ویسے کنویں دوسروں نے بھی کھود لیے ہیں۔ اگرچہ تباہی دوطرفہ ہوگی۔

جینوا پروٹوکول (۱۹۲۵ء) جو زہریلی گیس استعمال کرنے کو ممنوع قرار دیتا ہے (بلکہ کہنا چاہیے کہ سفارش کرتا ہے) مگر اس کی تیاری اور اس کی ذخیرہ داری کو نہیں روکتا۔ حسن اتفاق سے کچھ عرصہ تک سفارش کا یہ سکہ چلتا رہا۔ پھر جاپان نے چین کے خلاف ––– (۴۰-۱۹۳۷ء میں)، مصر نے (۶۷-۱۹۶۳ء) میں یمن کے خلاف زہریلی اور تیزابی چھالے ڈالنے والی گیسیں استعمال کیں ––– کیوبا نے انگولا میں، روس نے افغانستان میں کیمیکل ہتھیار استعمال کیے۔ شمالی افغانستان میں کئی گاؤں پورے کے پورے صاف ہو گئے۔ لیکن گیس بردار اور گیس کو معلوم کرنے والے آلات سے آراستہ روسی سپاہیوں کے اقرار کے باوجود کوئی یقین کرنے کو تیار نہ ہوا۔ اس تباہ کاری کے سب سے بڑے علمبردار تو روس اور امریکہ ہیں، تمام یہودی ریاستیں ہیں، اسرائیل اور بھارت ہیں۔

مگر ہم پیروانِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور سرمستانِ ماہ ربیع الاول بھی پیچھے نہیں ہیں۔ اس وقت ایران، عراق، شام، لیبیا وغیرہ میں زہریلی گیس کے کارخانے اور ذخائر روز افزوں ہیں (پیش پیش = لیبیا)۔ ابھی ابھی مسلمانانِ عراق کی حکومت اور فوج نے کردستان کے مسلمانوں کی تباہی کے لیے حملہ کیا۔ اس حملہ میں تین ہزار سے لے کر پانچ ہزار تک (جن میں عام نہتے شہری مرد و زن اور بچے شامل ہیں) پوری طرح ہلاک ہو گئے اور بہت سی تعداد مستقلاً بدہیئت اور معذور اور دردمند ہو کر رہ گئی ہے جس میں سے آہستہ آہستہ لوگ مرتے چلے جا رہے ہیں۔

ریڈرز ڈائجسٹ کے تازہ شمارے میں ایک مضمون BY RELF KINNEY BENNET شائع ہوا ہے۔ اس میں کُرد قصبے حلب جاہ پر عراق کے کیمیکل حملے کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ بڑی گڑگڑاہٹ کے بعد ایک کہر سا گلیوں میں پھیلنے لگا۔ جو ہوائی جہاز حملہ کر رہے تھے، ان کو جنہوں نے دیکھا اُن کی آنکھیں پتھرا گئیں، اُلٹیاں آنے لگیں، اُن کے مونہوں سے سبز رنگ کا جھاگ اور خون بہنے لگا، اُن کے چہروں کا رنگ سُرخی آمیز نیلا ہو گیا۔ لندن ڈیلی ٹیلیگراف لکھتا ہے کہ "حلب جاہ ایک کھلی قبر بن گیا۔ مائیں بچوں کو سینے سے لگائے، نوعمر لڑکیاں خوش رنگ لباس پہنے، چھوٹے بچے نائیلون کے لباسوں میں پل بھر میں حوالۂ مرگ ہو گئے۔ کئی ہزار افراد کی اس مظلومانہ تباہی کے خلاف اقوام متحدہ کے تحت جمع ہونے والی ۵۰ اقوام تحریک کے باوجود کوئی قرارداد پاس نہ کر سکیں۔ (جمہوریت زندہ باد)

مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا یا مسلمان قوم کا کسی دوسری مسلمان قوم کو تباہ کرنا اتنے بھاری جرائم ہیں کہ اسلام میں ان کی کوئی جگہ نہیں۔

ایسے مسلمان افراد، ایسی مسلمان جماعتوں، ایسی تحریکوں اور ایسی حکومتوں کی ضرورت ہے جو ربیع الاوّل کو مبارک بنانے والی ہستئِ اطہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو مضبوط کر کے اور محبتِ رسول ﷺ کو افکار و کردار کی رُوح بنا کر اور حضورؐ کی دعوتِ حق اور دعوتِ عدل و سلامتی کی سچی علمبرداری کے لیے نقیب بن کر اُٹھیں۔ اپنے آپ کو الحاد اور بے دینی اور بداخلاقی اور ظلم سے محفوظ کریں اور ساری دُنیا کو توحید، حُسنِ اخلاق، محبتِ انسانیت، ترکِ ظلم اور انسدادِ بہیمیت کا سبق دینے کی جدوجہد کریں۔ اور جو ظالم طاغوتی قوتیں دُنیائے انسانیت کو خوار و خستہ کر رہی ہیں، ان سے تہذیب کو نجات دلانے کے لیے قوت مہیا کریں۔ قوت برائے دفعِ منکرات اور اقامتِ معروف، نہ کہ برائے ظلم و تباہی!

ورنہ ایمان و اخلاق کو غارت کرنے والا اور جان و مال و آبرو کے سفینے ڈبونے والا جو سیلاب اُٹھ کر روز بروز بڑھ رہا ہے اُسی کے اندر غوطے کھا کر مزے لیتے ہیں تو پھر

ربیع الاوّل سے کیا مطلب؟ اور دینِ حق سے کیا رشتہ داری، اور دربارِ نبوت میں کونسی سند؟

ایک بدیہی مثال سامنے ہے!

کونسا سرمستِ تقدسِ ربیع الاوّل اور دلدادۂ تذکارِ رسالت مآبؐ ہے جس کے نام سیور ریفل کے نام سے معروف نظام قمار[1] (جوا) کا ۵ لاکھ یا ایک لاکھ کا انعام نکلے اور وہ صرف اس شعور کی بنا پر کہ قرآن کو بھیجنے والے اور قرآن کو لانے والے نے قمار کی آمدنی کو حرام کر دیا ہے، وہ دولت کے ایک ڈھیر کو ترک کر کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے شامیانے تلے آکھڑا ہوا؟ اگر کوئی ایسا ہوتا تو وہ ایسے سلسلے میں شریک کیوں ہوتا؟

اسے جاری کرنے والے مسلمان، اس کے ٹکٹ خریدنے والے مسلمان، اس کے انعامات وصول کرنے والے مسلمان (ان کے ساتھ غیر مسلم بھی ہوں) — اور ایسے سلسلۂ قمار کو لوگوں کی آمدنیوں اور اُن کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت دینے اور تحفظ فراہم کرنے والے نظامِ جمہوری کو اپنی اکثریت کے بل پر چلانے والے بھی مسلمان! — اور یہ سب میلاد النبیؐ کے مستانے!

بے شمار غریب لوگوں کی آمدنیاں ایک نفسیاتی مسمریزم کے زور سے سمیٹ کر چند افراد کی جھولی میں ڈال کر سرمائے کا ارتکاز پیدا کرنے کا تماشا ہو رہا ہے۔ ۵ لاکھ افراد کی جیبیں کٹنے سے کسی ایک فرد کا دامن دولت سے بھر جاتا ہے اور چند انعام یافتہ افراد کے ساتھ اِس نظام کے کارپرداز خود بھی دولت کی اس بہتی گنگا سے خوب ہاتھ رنگتے ہیں۔

---

[1] بروئے حدیثِ نبویؐ اصول یہ ہے کہ الخراج بالضمان۔ مدعا یہ کہ فائدہ وہ اُٹھائے جو تاوان (یا ہرجانہ) دینے کا پابند ہو — یہ صورت ناجائز ہے کہ نقصان اور لوگ اُٹھائیں اور فائدہ کسی اور کو ملے۔

اب بیچ میں سے ستاچن کے جاں باز سپاہیوں کی بہبود کے لیے بھی ایک رقم نکال کر سامانِ ثواب بھی کرلیا ہے۔ جیسے کہ مولانا ظفر علی خاں نے کہا تھا کہ:

ے . چندہ شاہ آباد دیتے ہیں گوہر جان بھی
خوش رہے رحمٰن بھی، راضی رہے شیطان بھی

خدا کرے کہ ہم آپ سب حقائق کو نبیؐ پاک کی تعلیم اور اُسوہ کی روشنی میں سمجھیں، اپنے فرض کو پہچانیں اور ایسی پستی میں نیچے ہی نیچے نہ گرتے چلے جائیں، جس کا مرتبۂ کمال اسفل السافلین ہے۔

قارئین متوجہ ہوں

(۱)

اجمل صاحب کے نام سے ایک مضمون بے عنوان ہمارے پاس ہے، صاحبِ مضمون کا پتہ درکار ہے۔

(۲)

ایک صاحب نے ہمیں اور مختلف حضرات کو خطوط لکھے ہیں۔ سابق خطوط میں ان کا پتہ درج تھا جو محفوظ نہیں ہیں۔ نئے خط میں صرف "ایک مسلمان" لکھا ہے۔ ہمیں پتہ درکار ہے۔

(ادارہ)